کتاب نما

فی ظلال القرآن: سید قطب شہید، مترجم: سید حامد علی۔ ناشر: البدر پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، جلد اول (الفاتحہ، البقرہ)۔ صفحات: ۸۰۶، قیمت: ۱۷۵ روپے۔ جلد دوم: (آل عمران) صفحات: ۵۰۴۔ قیمت: ۱۳۰ روپے۔ جلد سوم (النساء) صفحات: ۶۹۱۔ قیمت: ۲۰۰ روپے

سید قطب شہید دور حاضر کے جلیل القدر اسلامی مفکر، مجاہد اور نابغہ تھے۔ عالم، مفسر، ادیب، شاعر، نقاد، صحافی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ انھوں نے علم و ادب کے ہر شعبے میں اپنی دانش و بینش اور ذہانت و قابلیت کے نقوش ثبت کیے۔ یوں تو ان کی دو درجن تصانیف میں سے سبھی اپنے اپنے موضوعات پر نمایاں اور قابل لحاظ حیثیت رکھتی ہیں لیکن "فی ظلال القرآن" ان کی بالغ نظری، پختہ فکری، دانشوری اور علمی فضیلت کا شاندار نمونہ ہے۔

قرآن حکیم کی تفسیر لکھنا بہت بڑی سعادت ہے۔ سید قطب تو اس سعادت سے بہرہ مند ہونے کے بعد، شہادت کے مقام پر بھی فائز ہوئے ۔ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟ "فی ظلال القرآن" ایک ہمہ جہتی تفسیر ہے (علمی و فکری، تحریکی و انقلابی، تربیتی و دعوتی) بقول سید حامد علی "مصنف کی فکری زندگی کے سب سے زیادہ کارکردگی کے سالوں کا ثمرہ"۔ زیر نظر تفسیر کی اہمیت کا اندازہ، فاضل مترجم کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے کہ "اس تفسیر سے میرے علم میں، میرے فہم قرآن میں، میرے ایمانی جذبات میں اور اللہ اور اس کے دین سے میرے لگاؤ میں اضافہ ہوا ہے"۔ (ص ۴)

مولانا سید حامد علی کا شمار بھارت کی تحریک اسلامی سے وابستہ ممتاز اہل قلم میں ہوتا ہے۔ وہ کئی برس تک ماہنامہ "زندگی" رام پور کے مدیر رہے۔ ان کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد تقریباً ایک سو ہے۔ "فی ظلال القرآن" کا ترجمہ کسر نفسی کے سبب، انھوں نے بڑے تامل سے ہاتھ میں لیا تھا، لیکن پھر انھوں نے اس کام کو پوری توجہ اور احساس ذمہ داری اور ایک گہرے والہانہ قلبی جذبے کے ساتھ

انجام دیا۔ (افسوس ہے کہ ۳ مارچ ۱۹۹۲ کو ان کا انتقال ہو گیا اور یہ کام ادھورا رہ گیا)۔ بہرحال اس کی چار جلدیں پہلے بھارت میں اور اب پاکستان میں چھپی ہیں اور مترجم کے تحقیقی مزاج، وسعت مطالعہ اور محنت و کاوش کی آئینہ دار ہیں۔ اردو میں "فی ظلال القرآن" کے ایک سے زائد ترجمے ہوئے ہیں۔ زیر نظر ترجمے میں بعض ایسی خوبیاں نظر آتی ہیں، جو دوسرے تراجم میں موجود نہیں، مثلاً:

(۱) قرآن حکیم کے بیسیوں اردو ترجمے ہو چکے ہیں۔ سید حامد علی صاحب کے لیے ایک آسان صورت تو یہ تھی کہ وہ کوئی ایک ترجمہ اختیار کر لیتے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ان ترجموں میں لفظی اختلافات کے ساتھ ساتھ، ان کے بقول: "خاصے معنوی اختلافات" بھی موجود ہیں۔ چنانچہ انھوں نے (اس احساس کے ساتھ کہ: "قرآن مجید کا ترجمہ کرنا، دنیا کا سب سے عظیم، سب سے دشوار اور سب سے نازک کام ہے"، اپنی "کم مایگی اور بے بضاعتی" کا اعتراف کیا ہے۔ بایں ہمہ اپنے تئیں ایک راہ نما، نسبتاً بہتر اور اطمینان بخش ترجمہ کرنے کی سعی کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پاورقی حاشیے میں بعض اہم مترجمین قرآن (شاہ عبدالقادر، مولانا محمود حسن، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا فتح محمد جالندھری، مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی) کے ترجمے بھی دے دیے ہیں۔

(۲) سید قطب کے ہاں عموماً قرآنی آیات کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ مترجم نے تفسیر میں مذکور جملہ آیات کے ساتھ حوالوں (اور ان کے تراجم) کا اہتمام کیا ہے۔ احادیث بالعموم بلاحوالہ ہیں۔ سید حامد علی نے کتب احادیث کے حوالوں کے ساتھ ساتھ، بعض احادیث کے لفظی یا معنوی اختلافات کی وضاحت کی ہے اور بتایا ہے کہ صحت کے لحاظ سے حدیث کا کیا مقام ہے---

(۳) سید حامد علی کے ہاں ایک اور خوبی یہ نظر آتی ہے کہ انھوں نے بعض واقعات اور مسائل کے ضمن میں، اپنی طرف سے بھی کچھ مزید توضیحات کر دی ہیں۔ مصنف سے کہیں اختلاف محسوس ہوا، تو حاشیے میں اس کی نشان دہی کی ہے۔ کسی آیت یا سورت سے متعلق کچھ امور یا دوسرے مفسرین کے نقطہ ہائے نظر قابل ذکر محسوس ہوئے تو اختصار کے ساتھ انھیں بھی حاشیے میں بیان کر دیا اس ضمن میں مترجم نے بعض مقامات پر مولانا حمید الدین فراہی، مولانا امین احسن اصلاحی یا مولانا مودودی کی تفسیری آرا نقل کی ہیں۔

(۴) ابتدا میں سید قطبؒ کے تعارف اور "فی ظلال القرآن" کی اہمیت اور خصوصیات پر مشتمل ان کا سیر حاصل مقدمہ بھی خاصے کی چیز ہے۔ اس حصے میں انھوں نے اپنے ترجمے کی پوری سکیم کی نوعیت اور پس منظر پر روشنی ڈالی ہے۔

درحقیقت سید حامد علی مرحوم کی یہ تحقیقی کاوش اردو کے تفسیری ذخیرے میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ: ''مترجم کے علم و یقین کی رو سے تفسیر "فی ظلال القرآن" اپنی نوعیت کی ایک ہی تفسیر ہے۔ اس طرح کی کوئی تفسیر اردو تو کجا، عربی میں بھی موجود نہیں''۔ (ص ۳) ہمارا خیال ہے کہ زیرنظر اردو ترجمے میں سید حامد علی مرحوم نے اپنی جو تحقیقی کاوشیں شامل کیں (''میں نے اپنی تمام ذہنی و فکری توانائیوں کو اس کام میں جھونک دیا'') (ص ۵)۔ اس سے یہ اردو ترجمہ، اصل عربی تفسیر سے کہیں زیادہ جامع اور مفید تر ہو گیا ہے۔ بلاشبہ اردو کے تفسیری ادب میں یہ ایک نادر اور قیمتی اضافہ ہے۔ (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

چیچنیا کے سرفروش، محمد الیاس انصاری۔ ناشر: کمبائن پبلشرز لاہور۔ صفحات: ۹۶۔ قیمت: ۴۰ روپے۔

اگرچہ نبی کریمؐ کے اس فرمان کی صداقت ہمیشہ سے روز روشن کی طرح عیاں رہی ہے کہ الکفر ملة واحدة، لیکن بیسویں صدی کی رواں دہائی میں عالمی تناظر میں مسلم دنیا جس تکلیف دہ صورت حال سے دوچار ہے، اس کی روشنی میں مذکورہ بالا فرمان کی صحت و صداقت، روز بروز نکھرتی چلی جا رہی ہے۔ مسئلہ کشمیر کا ہو، افغانستان کا یا اراکان، فلسطین، بوسنیا یا چیچنیا کا بڑی عالمی طاقتیں اور دنیا کے بڑے بڑے متحارب گروہ اپنے اختلافات کو بھلا کر مسلم امہ کے خلاف صف بستہ ہو جاتے ہیں اور اس صف بستگی میں انھیں عالمی امن، بقائے باہمی اور انسانی حقوق وغیرہ کے تمام نعرے بھول جاتے ہیں۔ چیچنیا کا مسئلہ، عالم اقوام کے لیے ایک سلگتا ہوا سوال ہے مگر یہاں روس کی جارحیت کو امریکہ کی مجرمانہ پشت پناہی حاصل ہے، جس طرح عراق پر امریکی جارحیت نے روس کو مجرمانہ طور پر مہر بہ لب رکھا تھا۔

چیچنیا کے مسلمانوں نے اپنی آزادی کے خلاف روس کی شرمناک جارحیت کا جس شجاعت اور بے جگری سے مقابلہ کیا ہے وہ خود روس اور مغرب میں اس کے خاموش حواریوں کے لیے حیران کن ہے۔ پونے دو سال ہو چلے ہیں (چیچنیا پر روس کے باقاعدہ حملے کا آغاز ۱۱ دسمبر ۱۹۹۴ کو ہوا تھا) مگر ۱۲، ۱۴ لاکھ کی آبادی والا یہ چھوٹا سا ملک روسی عفریت کے قابو میں نہیں آسکا۔ اب بھی مزاحمت کسی نہ کسی سطح پر جاری ہے۔ اس مزاحمت کے رشتے ماضی میں بہت دور تک جاتے ہیں۔ روسی، تاتار اور قفقازی مسلمانوں کا وجود ختم کرنے کے لیے قدیم زمانے سے کوشاں رہے ہیں۔ امام منصور اور امام شامل کی تحریک جہاد نے روسیوں کو ناکوں چنے چبوا دیے۔ سٹالن نے ۱۹۴۰ میں دس لاکھ مسلمانوں کو

جبراً جلاوطن کر دیا۔ لیکن "مسلمان اور ان کی روح جہاد کا علاج کس کے پاس ہے"۔ (دیباچہ از خرم مراد، ص ۱۵)

محمد الیاس انصاری نے بڑی محنت اور کاوش سے شیشان کے ماضی اور حال کا منظرنامہ پیش کیا ہے۔ اہل شیشان کے خلاف روس کی سازشیں، غداروں کی پشت پناہی، اقتصادی ناکہ بندی، جھوٹا پروپیگنڈا پھر براہ راست فوج کشی، انسانی حقوق اور اخلاقی اصولوں کی پامالی، دوسری طرف مجاہدین کی جہادی سرگرمیاں اور مزاحمتی حکمت عملی، اسی طرح مغربی طاقتوں کے مگرمچھ کے آنسو اور دیگر متعلقہ اور ضروری تفصیل۔ مصنف کا خیال ہے کہ اگر روس چیچنیا پر مکمل قبضہ کر بھی لے تو اسے برقرار رکھنا نہایت مشکل ہو گا کیونکہ روح جہاد کو سلب کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں۔

اس مسئلے کا ایک نہایت تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ چیچنیا پر روسی حملے اور جارحیت کو ماسکو میں پاکستانی سفیر نے روس کا "اندرونی معاملہ" قرار دیا ہے۔ دیگر اسلامی ممالک نے بھی مایوس کن رویہ اختیار کیا۔ ایسا نہ ہوتا تو اہل کفر کے ہاتھوں کشمیر، بوسنیا، اور چیچن کے عوام گاجر مولی کی طرح کیوں کٹ رہے ہوتے۔ بہرحال اپنے موضوع پر اردو میں یہ پہلی کتاب ہے، مختصر مگر جامع۔ تجزیاتی پہلو پر قدرے زیادہ توجہ دی جاتی تو بہتر تھا (ر-ہ)

قومی تعلیمی پالیسی، ۱۹۹۲ تا ۲۰۰۲، ایک جائزہ ۔ مرتب: سلیم منصور خالد۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، مرکز ایف سیون، اسلام آباد۔ صفحات: ۲۴۴۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

پاکستان میں اول روز سے قومی سطح پر مسئلہ تعلیم سے جس بے نیازی اور اغماض کی پالیسی پر عمل کیا جا رہا ہے وہ ہماری زبوں حالی کی ایک بہت بڑی وجہ ہے اگرچہ اس میں ہمارے ارباب اقتدار کی "غیرذمہ دارانہ روش" کو اس صورت حال میں بنیادی دخل ہے تاہم اس اجتماعی کوتاہی اور ملی گناہ میں، معاشرے کے بہت سے دوسرے طبقے بھی کسی نہ کسی درجے میں شریک ہیں (اقبال کے بقول فطرت کبھی کرتی نہیں، ملت کے گناہوں کو معاف ـــــ!

زیرنظر کتاب میں قومی تعلیمی پالیسی (۱۹۹۲ تا ۲۰۰۲) کا نہایت تفصیل اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔ خامیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کے ساتھ اصلاح احوال کے لیے تجاویز بھی دی گئی ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اس کاوش کے لیے مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے ماہرین تعلیم اور دانش وروں کو جمع کرنے کا اہتمام کیا (تعلیمی مذاکرہ، ۱۰-۱۱ اپریل ۱۹۹۳)۔ ان کی ساری گفتگو اور مقالات کو کتابی شکل میں مرتب کر دیا۔ کتاب کے مطالعے سے مندرجہ ذیل نکات نمایاں طور پر سامنے

آتے ہیں۔
(۱) سرکاری سطح پر تعلیم عملاً ہماری ترجیحات میں شامل ہی نہیں۔ (۲) تعلیم کے شعبے کے لیے انتہائی قلیل اور ناکافی رقم فراہم کی جاتی ہے۔ (۳) ملک میں بیک وقت کئی قسم کے نظام ہائے تعلیم چل رہے ہیں، جس سے ملک میں معاشی، سیاسی اور معاشرتی طبقاتی تفاوت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ (۴) ذریعہ تعلیم کی اہمیت کو مسلسل نظرانداز کرتے ہوئے ہر قیمت پر انگریزی زبان کو مسلط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ (۵) فروغ تعلیم کے لیے منصوبہ بندی کا فقدان ہے۔ (۶) نصاب تعلیم اور امتحانی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے کوئی توجہ نہیں دی جارہی۔ نتیجتاً تعلیم کا معیار دن بدن گر رہا ہے۔ (۷) سائنسی مضامین کی تدریس کے لیے مطلوبہ تعلیمی قابلیت کے حامل اساتذہ موجود نہیں ہیں اور سائنس پڑھنے والے طلبہ کی تعداد سال بہ سال کم ہو رہی ہے۔

کتاب میں تعلیم سے متعلق تمام اہم امور سے بحث کی گئی ہے۔ مگر ایک کمی یہ محسوس ہوئی کہ تعلیم و تدریس کی کامیابی کے سلسلے میں والدین کے کردار کو زیر بحث نہیں لایا گیا۔ تعلیم اور اس کے گوناگوں مسائل سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب ایک قیمتی اور نہایت سودمند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے (پروفیسر رؤف احمد شاہ)

مضامین غلام ربانی: غلام ربانی۔ ناشر: انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۱۵۹ ڈی، بلاک ۷، گلشن اقبال، کراچی۔ صفحات: ۳۴۴۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔

مختلف موضوعات پر ۳۶ دلچسپ مضامین کا یہ مجموعہ ایک ایسے بزرگ اہل قلم کی یادگار ہے، جنھیں مدت دراز تک محمد علی جوہر اور بابائے اردو مولوی عبدالحق ایسے اکابر کی رفاقت میں کام کرنے کا موقع ملا۔ مولوی غلام ربانی کی نثرنگاری کا آغاز ۱۹۰۸ء میں "پیسہ اخبار" سے ہوا۔ پھر ان کی تحریریں "کامریڈ"، "ہمدرد"، "تمدن"، "ہمایوں"، "اردو"، "نورس" اور "جامعہ" وغیرہ میں شائع ہوتی رہیں۔ وہ انجمن ترقی اردو کے مختلف علمی کاموں میں مولوی عبدالحق کے علمی معاون رہے۔ اور انھوں نے انجمن کے لیے متعدد کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔

زیر نظر مضامین میں بڑا تنوع ہے۔ چند عنوانات: سرسید اور علم الآثار، سکے، تاریخ اور شاعری، محراب، مینار، لال قلعہ، فن اور زندگی، کائنات کا مذہبی تصور، اردو ہندی ڈکشنری، اورنگ آباد، الف لیلہ کا بغداد، اجنتا کی نقاشی کی کہانی، دلی کے مقبرے، مرزا فرحت اللہ بیگ کا مزاح وغیرہ۔

مضامین بظاہر بیانیہ اور تاثراتی ہیں، مگر ان سے مصنف کے نکتہ رس ذہن، دانش ورانہ سوچ،

گہری نظر اور تحقیقی مزاج کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان مضامین کی ایک بہت بڑی خوبی ان کا اختصار و اجمال ہے۔ کتاب کے مقدمہ نگار جمیل الدین عالی نے بالکل بجا کہا ہے کہ "زیر نظر مقالے، اپنے متنوع موضوعات، سادہ انداز بیان اور ان معلومات کے لحاظ سے، جو آج نایاب ہیں، بڑی حیثیت رکھتے ہیں"۔ (ر-ہ)

عالم اسلام اور عیسائیت (ماہنامہ): مدیر: سفیر اختر۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، بلاک ۱۹، مرکز ایف / سیون، اسلام آباد۔ صفحات: ۳۲۔ قیمت فی شمارہ: ۱۰ روپے۔ سالانہ: ۱۰۰ روپے۔ بیرون ملک: ۲۵ ڈالر

دور حاضر میں، عیسائیت کی حیثیت عام مذہب کی نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جو صدیوں تک بیشتر ایشیائی اور افریقی ممالک کے حکمران رہے۔ اگرچہ بیشتر غلام ممالک، مغربی سامراج کے تسلط سے آزاد ہو چکے ہیں تاہم ذہناً بیشتر ممالک ابھی تک انھی کی تہذیب و ثقافت اور افکار و تعلیم کے اسیر ہیں۔ مزید برآں اقوام مغرب بھی (خصوصاً ان کا امام امریکہ) مشرقی اور مسلم اقوام کو بدستور اپنے سیاسی، تمدنی اور اقتصادی غلبے کے حصار میں مقید رکھنے کے لیے کوشاں ہیں--- اس پس منظر میں عیسائیت کا مطالعہ، کئی پہلوؤں سے ہمارے لیے ضروری ہو جاتا ہے۔

زیر نظر مختصر اور معلومات افزا ماہنامے میں پیش کردہ مطالعہ عیسائیت کو دو دائروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، اول: مسیحیت اور اس کے متعلقات پر علمائے برعظیم اور مسیحی اور مستشرقین کی تحریری کاوشیں۔ (اس میں عیسائیت سے متعلق کتابوں کا تعارف اور جائزہ بھی شامل ہے)

دوم: دنیا کے مختلف ممالک میں فروغ عیسائیت کے لیے مسیحی مبلغین کی حکمت عملی اور مشنریوں کی سرگرمیوں کی خبریں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض ممالک میں اسلام اور مسیحیت کی کشمکش کئی سطحوں پر جاری ہے۔ ایک مضمون میں بتایا گیا ہے کہ ۷۲ ہزار غیر ملکی مسلمان طلبہ امریکی یونی ورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں۔ چنانچہ انھیں مسیحیت کی دعوت دینے کے لیے مشنریوں کو دور دراز کے سفر کی ضرورت نہیں۔

اردو قارئین کے لیے یہ سب کچھ معلومات افزا ہے، سبق آموز اور عبرت خیز۔ یہ سب کچھ ہمیں مغرب کو سمجھنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔ رسالہ محنت اور سلیقے سے مرتب کیا جاتا ہے اور اس کے اداریوں سے اس کا معتدل اور متوازن نقطہ نظر نمایاں ہے۔ رسالے کا مقصد مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان افہام و تفہیم کی فضا پیدا کرنا ہے۔ وہ توقع کرتا ہے کہ اختلافات کو دور کرنے اور مسائل کو

سلجھانے کا کام "مسلمان علما اور مسیحی بالغ نظر رہنما بہ آسانی انجام دے سکتے ہیں"۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کی یہ کاوش 'بہرطور قابل داد و تحسین ہے۔ (د - ہ)

سقراط : ڈاکٹر منصور الحمید' ناشر: دارالتذکیر' رحمٰن مارکیٹ' اردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۲۹۱۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔

اس کتاب کی حیثیت سقراط کی فکر 'تعلیمات' اور اس کے دعوتی اسلوب پر ایک عمدہ دستاویز کی ہے۔ مصنف نے بڑی محنت 'مہارت اور عمدگی سے سقراط کی حیات و فکر پر روشنی ڈالی ہے۔ سزائے موت دینے والی عدالت کے سامنے سقراط کے مشہور آخری بیان "معذرت" (Apology) کا سلیس اور رواں ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تو اس کتاب کا ایک پہلو ہے۔ اس کتاب کا اصل محرک تو مصنف کا یہ وجدان ہے کہ سقراط نہ صرف ایک نبی تھا (ص ۴'۹) بلکہ ایک جلیل القدر پیغمبر (ص ۲۶۴) انھوں نے اپنی ساری بحث اسی مفروضے کے تحت آگے بڑھائی ہے۔ آخری باب میں تو سقراط پر وحی و الہام کی کیفیات تک کو دریافت کر لیا ہے (ص ۲۶۷-۲۷۲) اس طرح کتاب میں "مرشد" (سقراط) کی عظمت کے سامنے "مرید" (مصنف) کی خود سپردگی کی جھلک جابجا دکھائی دیتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ قرآن سے ثابت شدہ انبیاء و رسل کے علاوہ دیگر تاریخی شخصیات (مثلاً: کرشن جی' مہاتما بدھ' سقراط' کنفیوشس' زرتشت وغیرہ) کو انبیا کی صف میں لاکھڑا کرنے کے لیے ذہنی اور قلمی زور آزمائی کہاں تک سودمند ہو سکتی ہے؟ ہمارے پاس ان شخصیتوں کی قرار واقعی حیثیت کے تعین اور ان کے افکار و تعلیمات کی تصدیق کا کوئی مستند ذریعہ موجود نہیں تو پھر کیا مناسب حد تک ان کی عظمت و دانش کا اعتراف کافی نہ ہو گا؟ (ان کی تعلیمات سے اخذ و اکتساب کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں) ہمارے خیال میں انھیں انبیا کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے زور لگانا ضروری نہیں اور نہ یہ کھینچا تانی سودمند ہے کہ ان کے افکار قرآن و حدیث کا چربہ ہیں۔

مصنف کے نزدیک سقراط روایتی مذہب کے بتوں پر کلہاڑا چلانے والا پہلا شخص ہے (ص ۲۹)' اس نے اہل یونان کے تمام دیوتاؤں کی نفی کرتے ہوئے' صرف ایک دیوتا "اپالو" کی صداقت و ہستی کا اعتراف کیا تھا ("اپالو" اللہ کا یونانی نام ہے)۔ سقراط کی فکر و دانش کے موتی کتاب میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں' مثلاً: "یہ اللہ ہی ہے' جو اصل دانا اور عقلمند ہے" (ص ۱۲۰) اللہ کی اور اپنے سے بہتر لوگوں کی نافرمانی کرنا بدی اور بے حیائی کی بات ہے (ص ۱۳۰)۔ لذتوں اور خواہشوں کو یوں اپنے اوپر سوار نہیں کرنا چاہیے کہ یہی انسان کی مالک بن بیٹھیں (ص ۱۰۱)۔ بدن کی حفاظت سے کہیں بڑھ

سلجھانے کا کام ''مسلمان علما اور مسیحی بالغ نظر رہنما بہ آسانی انجام دے سکتے ہیں''۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کی یہ کاوش ، بہرطور قابل داد و تحسین ہے۔ (ر ۔ ہ)

سقراط : ڈاکٹر منصور الحمید ، ناشر: دارالتذکیر، رحمٰن مارکیٹ ، اردو بازار ، لاہور۔ صفحات: ۲۹۱۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔

اس کتاب کی حیثیت سقراط کی فکر ، تعلیمات ، اور اس کے دعوتی اسلوب پر ایک عمدہ دستاویز کی ہے۔ مصنف نے بڑی محنت ، مہارت اور عمدگی سے سقراط کی حیات و فکر پر روشنی ڈالی ہے۔ سزائے موت دینے والی عدالت کے سامنے سقراط کے مشہور آخری بیان ''معذرت'' (Apology) کا سلیس اور رواں ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تو اس کتاب کا ایک پہلو ہے۔ اس کتاب کا اصل محرک تو مصنف کا یہ وجدان ہے کہ سقراط نہ صرف ایک نبی تھا (ص ۴، ۹) بلکہ ایک جلیل القدر پیغمبر (ص ۲۶۴) انھوں نے اپنی ساری بحث اسی مفروضے کے تحت آگے بڑھائی ہے۔ آخری باب میں تو سقراط پر وحی و الہام کی کیفیات تک کو دریافت کر لیا ہے (ص ۲۶۷ - ۲۷۲) اس طرح کتاب میں ''مرشد'' (سقراط) کی عظمت کے سامنے ''مرید'' (مصنف) کی خود سپردگی کی جھلک جابجا دکھائی دیتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ قرآن سے ثابت شدہ انبیاءؑ و رسلؑ کے علاوہ دیگر تاریخی شخصیات (مثلاً: کرشن جی ، مہاتما بدھ ، سقراط ، کنفیوشس ، زرتشت وغیرہ) کو انبیا کی صف میں لاکھڑا کرنے کے لیے ذہنی اور قلمی زور آزمائی کہاں تک سودمند ہو سکتی ہے؟ ہمارے پاس ان شخصیتوں کی قرار واقعی حیثیت کے تعین اور ان کے افکار و تعلیمات کی تصدیق کا کوئی مستند ذریعہ موجود نہیں تو پھر کیا مناسب حد تک ان کی عظمت و دانش کا اعتراف کافی نہ ہو گا؟ (ان کی تعلیمات سے اخذ و اکتساب کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں) ہمارے خیال میں انھیں انبیا کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے زور لگانا ضروری نہیں اور نہ یہ کھینچا تانی سودمند ہے کہ ان کے افکار قرآن و حدیث کا چربہ ہیں۔

مصنف کے نزدیک سقراط روایتی مذہب کے بتوں پر کلہاڑا چلانے والا پہلا شخص ہے (ص ۲۹)، اس نے اہل یونان کے تمام دیوتاؤں کی نفی کرتے ہوئے ، صرف ایک دیوتا ''اپالو'' کی صداقت و ہستی کا اعتراف کیا تھا (''اپالو'' ، اللہ کا یونانی نام ہے)۔ سقراط کی فکر و دانش کے موتی کتاب میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں ، مثلاً: ''یہ اللہ ہی ہے ، جو اصل دانا اور عقلمند ہے'' (ص ۱۲۰) اللہ کی اور اپنے سے بہتر لوگوں کی نافرمانی کرنا ، بدی اور بے حیائی کی بات ہے (ص ۱۳۰)۔ لذتوں اور خواہشوں کو یوں اپنے اوپر سوار نہیں کر لینا چاہیے کہ یہی انسان کی مالک بن بیٹھیں (ص ۱۰۱)۔ بدن کی حفاظت سے کہیں بڑھ

کر روح کی حفاظت کرنی چاہیے۔ (ص ۶۹)۔ کسی سے ادھار لینے کے بجائے اپنے آپ سے فاقہ کشی کا ادھار لے کر گزارا کرو (ص ۱۰۰)۔ حکومت چلانے کے اہل صرف وہ لوگ ہیں، جن میں علم اور قابلیت ہو، وہ علم اور قابلیت، جس سے جمہوریت کی اسمبلی ہمیشہ خالی رہی ہے (ص ۸۶)۔

کتاب اپنے سادہ اسلوب اور عام فہم انداز کے باعث، اس عظیم فلسفی تک پہنچنے میں مدد دیتی ہے۔ فلسفے کی تفہیم کے لیے اردو میں اتنی عام فہم کتب اکا دکا ہی ہیں۔ تصاویر اور اشاریے نے کتاب کو اور زیادہ بامعنی بنا دیا ہے۔ اس علمی خدمت کے لیے مصنف مبارک باد کے مستحق ہیں۔ (سلیم منصور خالد)

نظم البیان بلطائف القرآن: مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی۔ ناشر: ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ، بنارس۔ صفحات: ۲۲۴۔ قیمت: درج نہیں۔

اللہ کی آخری کتاب ہدایت قرآن مجید اپنی عجیب و غریب خصوصیات کے اعتبار سے بے مثل و بے نظیر ہے۔ مسلمان علما و فضلا نے اس کی تفسیر و توضیح، قرآنی علوم و فنون کی تدوین، اس کی سور و آیات اور اس کے الفاظ و حروف کے بارے میں جو متنوع کاوشیں کی ہیں، تاریخ انسانی میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ اس کتاب ہدایت سے استفادہ کرنے والوں کی سہولت کے لیے علما نے اس کے مضامین و مطالب کی فہرستیں بھی مرتب کی ہیں۔ "نظم البیان بلطائف القرآن" مضامین قرآن مجید کی ایک فہرست ہے جسے مئو کے ایک ممتاز سلفی عالم مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی (۱۲۸۶ھ-۱۳۵۱ھ) نے ترتیب دیا ہے۔ وہ ایک مدت تک مئو اور بہار و بنگال کے دینی اداروں میں تدریس میں مصروف رہے اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انھوں نے کتاب کا جو مسودہ اپنے قلم سے تیار کیا تھا، وہ اس قدر عمدہ تھا کہ ناشر نے از سر نو کتابت کرانے کی بجائے اصل مخطوطے کا عکس شائع کر دیا ہے۔ تاکہ مولانا کے دلکش خط اور عمدہ ترتیب کا نمونہ محفوظ رہے۔ کتاب میں دو سو کے لگ بھگ موضوعات پر قرآنی حوالے جمع کر دیے گئے ہیں۔ ہر صفحے کو پانچ خانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جن میں پارہ، سورہ، رکوع، آیت رکوع اور آیت یا آیات کا خلاصہ درج کر دیا گیا ہے۔ کتاب کے شروع میں مولف نے دس صفحوں کے مقدمے میں بڑی جامعیت سے اعجاز قرآن اور زیر نظر فہرست موضوعات قرآن کا تعارف کرایا ہے۔ اگرچہ اس دور میں اس حوالے سے نہایت عمدہ تالیفات منظر عام پر آچکی ہیں، تاہم تقریباً ایک سو سال پیشتر تیار ہونے والی اس فہرست کی افادیت برقرار ہے۔ (ڈاکٹر رحیم بخش شاہین)